R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
per Copy-12

جلد ۲۶۔ شمارہ ۴۳ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۱۵ر نومبر ۱۹۶۷ء

اداریہ

ایک تھا جواہر لال

۱۴ نومبر جواہر لال نہرو کا جنم دن ہے۔ سارے ملک میں بچوں کے دن کے طور پر بھی منایا جاتا ہے۔ جواہر لال نہرو کی بڑی پرستش ہوئی۔ اپنی زندگی میں وہ سب کی آنکھ کا تارا رہے۔ انھوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ انھیں ہندوستان کے عوام سے بے اندازہ محبت ملی اور انھوں نے بھی ان سے ٹوٹ کر محبت کی۔ آن کا آزادی کی جدوجہد میں اور آزادی کے بعد ملک کی تعمیر میں جو شاندار رول رہا ہے اسے ساری دنیا مانتی ہے انھوں نے ہندوستان کی ساری تاریخ کو ذہن میں رکھا اور اس کے ساتھ انسانی تاریخ کے بہاؤ اور زمانے کی ضروریات کو بھی۔ انھوں نے جدید دور کے تقاضوں اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے انکشافات اکتشافات کو سمجھا اور ملک کو جو بڑی حد تک ازمنۂ وسطیٰ کے ذہن کی گرفت تھا جدید بنانے کی کوشش کی۔ انھوں نے عوام کے دکھ درد کو سمجھا اور لوگوں کے معیار زندگی کو بڑھانے اور ملک سے جہالت، افلاس اور بیماری دور کرنے کی مہم چلائی۔ انھوں نے جمہوریت کے نظام کی بنیادیں مضبوط کیں۔ انھوں نے سیکولرزم کے نظریے کی اشاعت کی اور مذہب کی بنیاد پر امتیاز اور ترجیح کی مخالفت کی۔ انھوں نے سوشلزم کی منزل کی طرف ہماری رہنمائی کی اور منصوبہ بندی کے طریقہ کار کو اپنا کر ملک کو قومی دولت بڑھانے کی طرف اور وسائل میں اضافے کی طرف مائل کیا۔ انھوں نے صنعتی زندگی کے امکانات کو دیکھ کر ہندوستان میں بڑی صنعتوں کے فروغ کے لیے اقدامات کیے۔ انھوں نے طاقتور بیرونی طاقتوں کے ساتھ معاملات میں ناوابستگی اور غیر جانبداری کے اصول پر زور دیا۔ وہ امن عالم کے ہر حال میں پجاری رہے۔ انھوں نے ایشیا اور افریقہ میں غلام قوموں کی آزادی کی حمایت کی۔ انھوں نے خدمت اور محنت کا راستہ اختیار کیا۔ چین کے حملے سے پہلے ساری دنیا ان کا لوہا مانتی تھی، مگر چین نے ان کی صلح پسند پالیسی کے غلط معنی لیے اور ہندوستان کے عالمی اداروں میں اثر کو کم کرنے کے لیے اور یہاں کے جمہوریت کے تجربے کو حقیر کرنے کے لیے سرحدی معاملات میں معمولی اختلافات کو اتنی اہمیت دی کہ جارحانہ کارروائی شروع کر دی۔ جواہر لال چاہتے تھے کہ ہندوستان جلد سے جلد ایک مضبوط، متحد اور خود کفیل قوم بن جائے، مگر صدیوں کی خامیاں برسوں میں دور نہیں ہوتیں۔ آج ملک کی جو حالت ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کی پالیسی غلط تھی، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان کی پالیسی پر پوری طرح عمل نہیں کیا گیا اور اب جبکہ ان کی جادو بھری شخصیت نظروں کے سامنے نہیں ہے، ملک کی بہت سی خامیوں کو جواہر لال کی پالیسی کا نتیجہ کہہ کر کچھ لوگ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ آج بھی ہمارے ملک میں جتنے صالح میلانات ہیں ان کے پیچھے جواہر لال نہرو کا سوز و ساز اور درد و داغ کام کر رہا ہے۔ آج بھی ملک کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ ان کی طرح ہم ملک و قوم کے مفاد کو ہر حال میں ملحوظ رکھیں اور مذہبی، علاقائی، لسانی پاسداریوں کو حد سے بڑھنے نہ دیں۔ آج بھی اس کی ضرورت ہے کہ ملک میں اتحاد ہو، اقلیتیں اپنے آپ کو محفوظ سمجھ سکیں، اقلیتوں کی زبانوں کے فروغ میں دشواریاں حائل نہ ہوں۔ ملک اپنی غذائی ضروریات کے لیے خود کفیل ہو اور اپنے بچاؤ کے لیے دوسروں کی طرف تکنے کی بجائے خود ضروری ساز سامان تیار کرے۔ جواہر لال نہرو فرشتہ نہیں تھے انسان تھے۔ ان سے غلطیاں بھی ہوئیں وہ اتنے جمہوری آدمی تھے کہ جو لوگ جمہوریت کی بخشی ہوئی آزادی سے بے جا کام لیتے تھے، ان کے خلاف سخت کارروائی نہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے ہر کام خود کرنا چاہا اور ایک ایسی فوج تیار نہ کی کہ ان کے بعد ان کی پالیسی پر اسی جوش و خروش سے عمل ہو سکتا۔ انھوں نے چین پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کیا۔ اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ رحم دلی کا برتاؤ کرتے رہے اور ایسی غلطیوں پر بھی جو بہت بڑی تھیں ان کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئے۔ انھوں نے فرقہ واریت کو ختم کرنے کی کوشش

کی مگر موثر اقدامات نہ کرسکے۔ انھوں نے سرمایہ داری کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنا چاہا، مگر یہاں بھی کانگریس کے بعض طاقتور عناصر کے ساتھ مفاہمت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ کانگریس کی افادیت اس کی آئیڈیالوجی یعنی جمہوریت، سیکولرزم اور سوشلزم کی منزل میں ہے اور اس راستے پر جو لوگ نہیں چل سکتے انھیں کانگریس سے علیحدہ کر دینا چاہیئے ان کا ذہن انھیں بائیں بازو کی طرف لے جاتا تھا مگر انھوں نے دائیں بازو کے ساتھ ساری عمر گزار دی اس کے باوجود آج ہندوستان میں جتنے چراغ ہیں وہ جواہر لال نہرو کے جلائے ہوئے ہیں اور ہمارا فرض یہ ہے کہ ان چراغوں کو کسی طرح بجھنے نہ دیں بلکہ ان کی لو کو اور تیز کریں۔ جواہر لال کے جنم دن کے موقع پر انیس کے ایک مصرع میں تصرف کرکے ہمیں آج یہ ثابت کرنا ہے۔

جنوں کا ساری خدائی سے معرکہ ٹھہرا
چراغ لے کے مگر سامنے ہوا کے چلے

حافظ علی بہادر خاں کا انتقال

ہندوستان کے مشہور صحافی اور جنگ آزادی کے نمایاں مجاہد حافظ علی بہادر خاں کا انتقال ۵ رنومبر کی شب میں دہلی میں ہوگیا۔ حافظ صاحب مسلم یونیورسٹی کے ممتاز طالب علموں میں سے تھے اور کانگریس پارٹی میں بھی انھیں امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ تاج جبلپور، مدینہ بجنور اور روزنامہ اخوت کی ادارت کے فرائض انجام دینے کے علاوہ خود بھی انھوں نے کئی اخبار جاری کئے عورتوں کی تعلیمی ترقی کے لیے بھی کوشاں رہتے تھے اس سلسلہ میں انھوں نے ایک رسالہ معین نسواں بھی نکالا تھا۔

فراق گورکھپوری کو سوویٹ دیس نہرو انعام

نئی دہلی۔ ۵ رنومبر سوویت دیس نہرو ایوارڈ کمیٹی نے امن اور ہند روس دوستی کے سلسلے میں نمایاں ادبی و صحافتی خدمات انجام دینے پر اپنے سالانہ انعامات کا کل یہاں اعلان کر دیا۔

آٹھ آٹھ ہزار کے چار ادبی انعامات جن ممتاز شخصیتوں کو دئے گئے ہیں ان میں مشہور اردو شاعر جناب رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری ملیالم کے ادیب جناب جی شنکرا کروپ، مراٹھی ادیب جناب ایل۔ این۔ بھاوے اور بنگالی ادیب جناب من متھو رائے شامل ہیں۔

صحافتی تحریروں اور ترجموں پر ڈھائی ہزار کے چار انعامات جن افراد کو دئے گئے ہیں ان میں ظم اکبر جناب بلراج ساہنی (پنجابی) اور جناب کے کے نائر (ملیالم) دکھلا رہی (تامل) شامل ہیں۔

ان کے علاوہ ایک ایک ہزار روپیہ کے مزید ۹ ادبی انعامات اور آٹھ آٹھ سو کے مزید ۳ صحافتی انعامات بھی دئے گئے ہیں۔

"ہم امن چاہتے ہیں" کے موضوع پر بچوں کی مصوری کا جو مقابلہ ہوا تھا اس میں ۹ بچوں کو انعامات دیئے گئے ہیں۔

یہ بچے ایک ماہ کی تعطیل منانے کے لیے روس جائیں گے۔ جن ادیبوں شاعروں اور صحافیوں کو انعامات دئے گئے ہیں انھیں بھی روس کا پندرہ دن کا مفت دورہ کرنے کی سہولت حاصل ہوگی۔

سوویت دیس نہرو ایوارڈ کمیٹی کے چیرمین روس میں ہندوستان کے سابق سفیر جناب کے۔ پی۔ ایس۔ مینن ہیں۔ (قومی آواز)

غالب کی صدسالہ برسی پر ۲۵ لاکھ کے خرچ کا تخمینہ

نئی دہلی، اردو کے عظیم شاعر مرزا غالب مرحوم کی صدسالہ سالگرہ کے موقع پر ان سے متعلق شائع شدہ کتابوں اور تنقیدی تخلیقات وغیرہ کو شائع کرنے کا پروگرام ہے۔

مرزا غالب کی سوسالہ سالگرہ منانے والی کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ مرزا کے نام پر ایک عمارت کی تعمیر کی جائے۔ ان پروگراموں پر تقریباً ۲۵ لاکھ روپے صرف ہونے کا امکان ہے۔

وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی اس کمیٹی کی صدر ڈاکٹر ذاکر حسین اس کے سرپرست ہوں گے۔ اور جناب فخرالدین علی احمد سکریٹری ہوں گے۔ (دنگم)

ماہنامہ شاہکار کا ناولٹ نمبر

یہ خبر مسرت سے سنی جائے گی کہ جنوری ۱۹۶۹ء میں ماہنامہ شاہکار اپنا خاص نمبر ناولٹ نمبر کے نام سے پیش کر رہا ہے۔

اس کی قیمت تین روپے ہوگی مزید تفصیلات کے لیے منیجر شاہکار ۴۳ بخشی بازار الہ آباد ۳ سے خط و کتابت کی جائے۔

نگار پاکستان کا اصناف شاعری نمبر

ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی زیر ادارت، علامہ نیاز فتحپوری مرحوم کا شائع ہونے والا ادبی ماہنامہ "نگار پاکستان" کا آئندہ شمارہ اصناف شاعری نمبر ہوگا۔

جس میں اردو شاعری کی تمام اصناف مثلاً غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، قطعہ، گیت، جدید نظم، ریختی، واسوخت، مرثیہ، سانٹ، دوہا، شہر آشوب، اور منظوم ڈرامے کے فنی و معنوی ارتقاء پر پاک و ہند کے ممتاز اہل قلم اور صاحبان نقد و نظر کے مقالات شامل ہوں گے یہ شمارہ جو یکم دسمبر ۶۸ء تک منظر عام پر آجائے گا۔

جامعہ بمبئی میں فارسی اور عربی

سال گذشتہ سے جامعہ بمبئی نے اپنے بیرونی زبانوں کے شعبہ میں فارسی اور عربی زبانوں کو بھی شامل کرلیا ہے شعبہ کے صدر پروفیسر آرتھی ایرانچے ہیں اگرچہ جامعہ بمبئی کے ملحقہ کالجوں میں دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی بھی پڑھائی جاتی ہے سینٹ زیویرز کالج سدھارتھ کالج اور اسمٰعیل کالج میں فارسی بی اے اسپیشل تک کی تعلیم کا اہتمام ہے اور عربی کا شعبہ اسمٰعیل کالج اور سینٹ زیویرز کالج میں ہے۔

امین انور

مکتوب لندن

مڈل سکس
موّرخہ ۴ رنومبر

بریڈفورڈ میں ادبی محفل

۲۷ راکتوبر۔ بریڈفورڈ میں ایک ادبی محفل کا اہتمام ۲۸ راکتوبر بروز ہفتہ سات بجے شام کلیرنڈن پلیس میں کیا گیا ہے۔ اس محفل میں تقاریر کے علاوہ شعرا حضرات اپنا کلام بھی پیش کریں گے۔

اردو، انگریزی فلم

لندن یکم نومبر۔ گذشتہ ہفتہ میسرز صلاح الدین پروڈکشنز ڈھاکہ اور آئی مورک لیمٹیڈ یو۔کے کے درمیان تارکین وطن سے متعلق ایک اردو اور انگریزی فلم بنانے کا معاہدہ ہوا۔ یہ فلم انگلستان اور پاکستان کے بعض حصوں میں فلمائی جائے گی اور اس کی نمائش بین الاقوامی سطح پر ہوگی فلم کی ہیروئن پاکستانی ہوگی اور باقی تمام کردار دونوں ملکوں سے مختلف فنکار ادا کریں گے۔

ثقافتی پروگرام

مانچسٹر ۲۰ راکتوبر۔ مقامی انڈین ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ۲۹ راکتوبر شام ساڑھے سات بجے میسرز فری ٹریڈ ہال میں ایک ثقافتی شو منعقد ہو رہا ہے جس میں اردو ہندی ڈرامے اور ہندوستانی لوک ناچ وغیرہ پیش کیے جائیں گے۔

اشاروں کی زبان سیکھیے

لندن ۲ نومبر۔ فرض کیجیے آپ کسی غیر ملکی سرزمین پر ہیں۔ آپ کو وہاں کی زبان نہیں آتی اور نہ ہی وہاں کے لوگ آپ کی زبان سمجھ سکتے ہیں۔ اس موقع پر آپ کو کیا کرنا چاہیے؟ ذیل میں ایک امریکی خاتون جل سینٹ جان آپ کو چند ایسے اشارے بتائیں گی جن کی مدد سے آپ کسی اجنبی ملک میں بھی اپنے مقصد کا اظہار بآسانی کر سکیں گے۔

امریکی ٹورسٹ ایسوسی ایشن کے سربراہ اسٹیفن اسٹریٹر نے جنھیں سیاحت کا ماہر سمجھا جاتا ہے ان اشاروں کی افادیت کی تصدیق کردی ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب "اپنے ہاتھوں کو بولنے دیجیے" میں ہاتھوں کے ۲۰۰ ایسے اشارات جمع کیے ہیں جنھیں بآسانی سیکھا جا سکتا ہے۔

اشارات:۔

۱۔ گرمی بہت ہے۔ کسی گرم ملک میں شدید گرمی کا اظہار کرنے کے لیے آپ سیدھے ہاتھ کو پیشانی پر اشارہ کر لیجیے۔

۲۔ "کتنا" ؟ مثلاً کتنا معاوضہ دوں، اپنے دونوں ہاتھوں کو بائیں طرف یوں رکھیے جیسے دعا مانگ رہے ہوں۔ یہ اشارہ دنیا کے تقریباً ہر ملک میں بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

۳۔ "جی ہاں۔ جی ہاں"۔ کسی بات کی حامی بھرنے کے لیے اپنے سیدھے ہاتھ کی مٹھی سینے تک لے جائیے۔ اگر انکار کرنا ہو تو اپنے سیدھے ہاتھ کو دو چار بار دائیں بائیں گھمائیے۔

۴۔ "خدا حافظ"۔ رخصت ہوتے وقت اپنے دونوں ہاتھ جوڑیے ذرا سا جھکائیے اور پھر پیچھے ہٹ جائیے۔

۵۔ "کب" مثلاً گاڑی کب آئے گی۔ کسی سے اگر وقت معلوم کرنا ہو تو دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے خلا میں دائرہ سا بنائیے

لندن۔ ۲۸ راکتوبر کے "مشرق" میں فراق گورکھپوری کی حسب دستور ۲۰ اشعار کی ایک غزل شائع ہوئی ہے۔ انتخاب ملاحظہ ہو۔

یہی دنیا ہے اس کی راہ گذر — آسماں آسماں تلاش نہ کر
کاروانِ حیات بے منزل — جانے درپیش ہے کہاں کا سفر
خانہ زادِ حیات ہے وہ بھی — موت بھی زیست کی ہے دستِ نگر
نگرِ ناز کا ہے طرفہ پیام — یعنی معصوم رہ گناہ بھی کر
ہم تو کہتے ہیں جو بھی کہنا ہو — کہیے اس کی نگاہ کے منہ پر
منتظر یوں ہے کائناتِ فراق — اٹھنے والی ہو جیسے اس کی نظر

۴ رنومبر کے "مشرق" میں انجم رومانی کی ایک غزل غالب کے انداز بیان میں شائع ہوئی ہے۔ انتخاب ملاحظہ ہو۔

جو دل ہے زخم خندۂ پیکاں رنگ ہے — عالم تمام رقصِ شہیداں رنگ ہے
بے رنگیِ حیات جہنم سے کم نہیں! — اے دل! کہاں وہ سایۂ داماں رنگ ہے
گلزارِ آتشِ لب و رخسار دیکھنا! — دل اک چراغ سایۂ داماں رنگ ہے
ہنستا ہے اور سوزنِ تدبیر سے فگار! — زخمِ خیال چاکِ گریباں رنگ ہے
کشکولِ چشم کاسۂ دل دامنِ خیال — ہم میں ہی اک ہجوم گدایاں رنگ ہے
انجم ہیں اس کے حلقۂ پروانگی میں ہم! — جس کا خیال شمعِ شبستاں رنگ ہے

محمد علی عاظمی

روزنامہ "صباح" دہلی

سنہ ۱۹۲۲ء کے شروع میں حکیم اجمل خاں کی تحریک اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری و علی برادران وغیرہم کی تائید پر قاضی عبدالغفار مرحوم کی ادارت میں ایک اردو روزنامہ جاری کیے جانے کا پروگرام طے ہوا۔ یہ روزنامہ دہلی سے جاری ہوا اور اس کا نام صباح رکھا گیا۔ کافی کوشش اور تلاش جستجو کے باوجود اس روزنامے کا کوئی شمارہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوسکا۔ پھر بھی اس اخبار کے بارے میں حسب ذیل معلومات دوسرے ذریعہ سے فراہم کی گئی ہیں کہ یہ روزنامہ کن حالات میں اور کن حضرات کے تعاون و امداد سے جاری ہوا تھا اور کتنے دن جاری رہا۔

'صباح' آخر جنوری سنہ ۱۹۲۲ء یا ابتدائے فروری سنہ ۱۹۲۲ء میں دہلی سے جاری ہوا اور اس کی ادارت کا کام بھی سابق روزنامہ 'جمہور' کی طرح حکیم صاحب کی منشا سے قاضی عبدالغفار ہی کے سپرد کیا گیا۔

'حیات اجمل' میں قاضی صاحب نے ضمناً 'صباح' کے بارے میں بہت ہی سرسری سا ذکر کیا ہے۔ قاضی صاحب نے یہ بھی نہیں لکھا کہ وہ خود اس اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ یا یہ پرچہ کب اور کتنے دن نکلا۔ قاضی صاحب نے صرف اتنا لکھا ہے کہ

"... حکیم صاحب نے دہلی میں ایک روزانہ اخبار جاری کرنے کا انتظام کیا۔ اس کا نام صباح تھا۔ اس کی ایک ابتدائی اشاعت میں حکیم صاحب کا ایک پیام شائع ہوا جس میں انھوں نے قومی اخباروں کے متعلق حکومت کی سخت گیری کا اس طرح ذکر کیا ..."[1]

اتنا لکھنے کے بعد قاضی صاحب نے حکیم اجمل خاں صاحب کے اس پیغام سے اقتباس دیا ہے جس میں حکیم اجمل خاں مرحوم نے حکومت برطانیہ کی طرف سے اس وقت کے قومی اخباروں کے ساتھ کی گئی سخت گیری کا ذکر کیا ہے۔ حکیم صاحب کے پیغام کا متعلقہ اقتباس یہ ہے:-

"... بادِ شب بخیر۔ جمہور نے جب اپنے چہرہ پر فنا کی نقاب ڈالی تو صباح کی صبح کشائی نے اس کی تلافی کردی۔ اس لیے مجھے اطمینان ہے کہ اگر صباح نے بھی اپنے برادر مرحوم کا ساتھ دیا تو اسی جمہور کی روح کسی اور روپ میں اپنی رونمائی سے باز نہیں رہے گی..."[2]

جناب وحید احمد صاحب جو اس زمانے میں اپنے وطن شیخوپورہ بدایوں سے ایک اردو ماہنامہ 'نقیب' کے نام سے نکالتے تھے ان کو حکیم اجمل خاں صاحب اور ان کے ہمنواؤں نے اس امر کے لیے تیار کیا کہ وہ دہلی میں رہیں اور اپنا ایک ذاتی پریس چلائیں اور 'نقیب' بھی آئندہ دہلی ہی سے شائع ہوا کرے۔ اور اسی پریس سے ایک اردو روزنامہ جاری کیا جائے۔ جس کا نام 'صباح' ہو۔ اس کے ایڈیٹر قاضی عبدالغفار ہوں جو اس سے پہلے ہمدرد میں کام کر چکے تھے اور جمہور کے ایڈیٹر بھی رہ چکے تھے۔

اس روزنامے کے بارے میں مزید تفصیل یہ ہے: دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء میں علی برادران جب پانچ سال کی نظربندی کے بعد چھندواڑہ جیل سے رہا ہوئے تو دہلی میں ان کا شاندار استقبال ہوا تھا اور اس موقع پر علی برادران کے معتقد و نیازمند دہلی میں جمع ہوگئے تھے۔ دہلی میں علی برادران کا قیام ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے مکان پر تھا۔ مولانا محمد علی کی لارڈ چیمسفورڈ سے ملاقات کے بعد ڈاکٹر مختار احمد انصاری۔ علی برادران، حکیم اجمل خاں صاحب اور چند دیگر اصحاب کے مخصوص اجتماع میں یہ طے پایا کہ دہلی سے ایک روزانہ اردو اخبار جاری کیا جائے۔ اس تحریک کے محرک حکیم اجمل خاں مرحوم تھے۔ اس نشست میں قاضی عبدالغفار اور وحید احمد مدیر 'نقیب' (شیخوپورہ بدایوں) بھی موجود تھے۔

وحید احمد صاحب اور قاضی عبدالغفار صاحب ان دونوں حضرات پر نظرِ انتخاب پڑی کہ ان میں سے ایک پریس چلائے اور دوسرا اخبار کا کام سنبھالے۔ لہٰذا وحید احمد صاحب اور قاضی صاحب اسی وقت پریس کی خریداری کے لیے لاہور روانہ ہوگئے۔ دونوں حضرات لاہور میں سید ممتاز علی صاحب کے یہاں مقیم ہوئے اور موصوف ہی کے تعاون سے تین ہزار روپیہ میں پریس کی خریداری عمل میں آگئی۔ وحید احمد صاحب نے یہ معاملہ طے ہوجانے کے بعد اپنے بھائی کو بذریعہ تار اطلاع دی کہ وہ مطلوبہ رقم ممتاز علی صاحب کو فوراً روانہ کردیں، ادھر سید ممتاز علی صاحب سے کہا کہ وہ پریس مال گاڑی کے ذریعہ جلد سے جلد دہلی کے لیے روانہ کرادیا۔ اطلاع کے تیسرے دن تین ہزار کی رقم لاہور پہنچ گئی اور پندرہ بیس دن کے اندر اندر پریس دہلی آگیا۔

دہلی میں مناسب جگہ اور مکان کی تلاش کرکے پریس کھول دیا گیا اور صباح کے نام سے ایک اردو روزنامہ قاضی صاحب کی ادارت میں نکلنا شروع ہوگیا۔ یہاں کے انتظام سے مطمئن اور فارغ ہونے کے بعد وحید احمد صاحب اپنے اردو ماہنامے 'نقیب' کو اپنے وطن سے دہلی لانے کے لیے وطن تشریف لے گئے۔ ان کے جانے کے آٹھ دس دن کے اندر ہی پریس اور روزنامہ 'صباح' سے ضمانت طلب کرلی گئی اور دونوں بند ہوگئے۔ یعنی اخبار اور پریس دونوں کی مدت عمر آٹھ دس دن سے زیادہ نہ ہوسکی۔

وحید احمد صاحب کو جب اس صورت حال کی اطلاع اپنے وطن میں ملی تو وہ دہلی تشریف لائے۔ یہاں حکیم صاحب نے فرمایا کہ اخبار

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

۱ و ۲۔ حیات اجمل ص ۲۲۶-۲۲۵ مرتبہ قاضی عبدالغفار

غزلیں

عبدالرحیم نشتر

ہم جو باندھے ہوئے کفن نکلے
دشت زاروں سے بھی چمن نکلے

ذہن میں کتنے خوبرو ہیں ابھی
ذہن سے کتنے سیم تن نکلے

میری آشاؤں کی گلابی کو
گھر سے کر کے وہ زیب تن نکلے

زندگی جن سے رام ہی نہ ہوئی
ایسے بھی رام و لکشمن نکلے

اپنی ہی سادگی کا چرچا تھا
ہم ہی لے دے کے پرفتن نکلے

"چھوٹے لوگوں" کو "داخلہ" نہ ملا
وہ "بڑے صدر انجمن" نکلے

ان کا لہجہ ہی سب پہ بار ہوا
صرف نشتر ہی بدسخن نکلے

خالد رسوا

الجھے ہیں تیری زلف شکن در شکن سے ہم
گذرے ہیں یوں بھی منزل دار و رسن سے ہم

کچھ اس طرح سے قید قفس میں ہیں مطمئن
جیسے کہ بے نیاز رہے ہوں چمن سے ہم

اچھا ہوا کہ وقت پہ تم مسکرا دیے
مرعوب ہو چلے تھے گل یاسمن سے ہم

تزئین فصل گل کا صلہ اس طرح ملا
رہ کر چمن میں دور رہے اپنے چمن سے ہم

یہ سوچتے ہیں حشر نہ اٹھ جائے ساتھ ہی
اٹھنے کو اٹھ تو جائیں تری انجمن سے ہم

رسوا خدا جو اور دے زور قلم ہمیں
روشن نئے چراغ کریں گے سخن سے ہم

اظہار صد داسی

غمکدہ میں اہل درد جب بھی آئے رو گئے
داغ ہائے زندگی، آنسوؤں سے دھو گئے

وقت کی صلیب پر، ہم بھی ہیں ٹنگے ہوئے
نذرِ انقلابِ دہر، ہائے ہم بھی ہو گئے

اے غم حیات اٹھ، راستہ دکھا مجھے
کب سے نقش پائے خضر، راستوں میں کھو گئے

تا حد نگاہ اب، صرف اک غبار ہے
منزلیں بھی کھو گئیں، راستے بھی کھو گئے

بحث یہ فضول تھی، کون نیک کون بد
پھر بھی نفرتوں کے بیج، شیخ دل میں بو گئے

حاصلِ حیات تھے، حاصلِ مراد تھے
چند لمحے جو ترے، غم کی نذر ہو گئے

اشک بن کے آنکھ سے، خون دل ٹپک پڑا
سرخیٔ بہار ہم، پیار میں سمو گئے

ان کو جانتا ہوں میں، ان کو مانتا ہوں میں
دوسروں کے درد میں، جو شریک ہو گئے

سانس تھی تو آس تھی، آس تھی تو پاس تھی
میری کشتیٔ حیات، دل کے سب ڈبو گئے

دلیپ بادل

کل اور آج

کل میں نے سپنا دیکھا تھا
میں تھا، تم تھے
تنہا تنہا گھوم رہے تھے
جمنا تٹ پہ
تم نے چنچل ندیا کی اور اشارہ کر کے مجھ سے کہا تھا
بادل! میں تیری ندیا ہوں
تیرے جیون کی نیا ہوں
آج بھی میں نے سپنا دیکھا
میں تھا، تم تھے
تنہائی بھی
وہی ندی تھی
لیکن دونوں دور کھڑے تھے
ندیا کا جل سوکھ گیا تھا

یعقوب راہی

سرحد شہر پر

دور، شہر جنوں کی سرحد پہ
جنگ ہے روشنی و ظلمت میں
ٹینک پہ ٹینک توڑے جاتے ہیں
دور تک چھٹ رہے ہیں بم پہ بم
دونوں جانب لہو میں ڈوبی ہوئی
نسلِ آدم کی بکھری لاشیں ہیں
اور شہر جنوں کے شہزادے
محو حیرت ہیں، کس کو کیا معلوم
کون ہارے گا، کون جیتے گا؟

رئیس نعمانی

ایک نظم

میز پہ گلدان میں رکھے ہوئے چمپا کے پھول
مضمحل ہیں کس لیے
میری امیدوں کی طرح
می نداند، راز موج باد صبح
آید و از دن شگفتہا، مرا پیشاں راد رہ

ساہ طرف

غلام مرتضیٰ نقوی

کتابیات اور اُس کا فن

کتابیات یا ببلیوگرافی کتابوں کی اس فہرست کو کہتے ہیں جس میں کتاب کے متعلق تمام تفصیلات بہم پہنچائی جاتی ہیں مثلاً مصنف کا نام، کتاب کا نام، ناشر، مقام اشاعت، سنِ اشاعت، اڈیشن، جلدیں (اگر ایک سے زائد ہوں) صفحات اور قیمت وغیرہ۔

کتابیات کی ضرورت اس وقت محسوس کی گئی جب ہر فن پر سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں کتابیں شائع ہونے لگیں اور محققین کے لیے یہ جاننا دشوار ہو گیا کہ ان کے فن سے متعلق اب تک کیا کیا لکھا گیا ہے۔ تحقیق کے لیے سب سے بنیادی چیز یہی ہے کہ پہلے اس موضوع پر وہ مواد اکٹھا کیا جائے جو اب تک شائع ہو چکا ہے تاکہ محقق کو یہ معلوم ہو سکے کہ اب اس میدان میں اس کے لیے کتنی گنجائش ہے۔

کتابیات کی بہت سی قسمیں ہیں۔ عالمی کتابیات، قومی کتابیات کسی مخصوص فن کی کتابیات، کسی مصنف یا کسی شخصیت کی کتابیات ایک معینہ مدت کی کتابیات اور کتب فروش اور ناشروں کی کتابیات وغیرہ۔

عالمی کتابیات سے مراد ان تمام مطبوعات کی فہرست سے ہے جو ابتدائے آفرینش سے اب تک بلا کسی تفریقِ مذہب و ملت، زبان اور جغرافیائی حدود کے تیار کی گئی ہو۔ یہ کام اگر ناممکن نہیں تو انتہائی محال ضرور ہے۔ اب تک اس قسم کی کوئی کتابیات تیار نہیں کی جا سکی حالانکہ کئی مرتبہ اس کی کوشش بھی کی گئی۔

قومی کتابیات یا نیشنل ببلیوگرافی اس مکمل فہرست کو کہتے ہیں جس میں کسی ملک کی تمام مطبوعات خواہ وہ کسی فن اور زبان پر ہوں شامل کی جاتی ہیں۔ اس کی مثال انڈین نیشنل ببلیوگرافی اور برٹش نیشنل ببلیوگرافی ہیں۔ ۱۹۵۰ء میں ہندوستان میں ایک کمیٹی کا تقرر ہوا تاکہ وہ ہندوستانی مطبوعات کی ایک ببلیوگرافی تیار کرے ۱۹۵۸ء میں پہلی بار یہ کام انجام پایا۔ اور نیشنل ببلیوگرافی مسٹر کیسون کی زیر نگرانی جو اس نیشنل لائبریری کے لائبریرین تھے مرتب ہوئی اس میں سستے قسم کے لٹریچر مثلاً ناول، نصاب کی کتابیں، پروپیگنڈا لٹریچر اور اخبارات اور رسائل کو جگہ نہیں دی گئی، صرف ہر رسالہ کی پہلی اشاعت کو اس میں شامل کیا گیا یا ان رسالوں کو جن کے نام بدل دیے گئے۔

اس کتابیات کو مختلف فنون میں تقسیم کیا گیا جیسے ادب، تاریخ، مذہب، معاشیات وغیرہ۔ اس کے علاوہ کتابیات کو سرکاری اور غیر سرکاری مطبوعات میں بانٹا گیا ہے۔ اس طرح نیشنل لائبریری کلکتہ ہر سال ایک ببلیوگرافی مرتب کرتی ہے۔

کسی مخصوص فن یا شخصیت پر بھی کتابیات تیار کی جاتی ہے جس میں اس فن سے متعلق تمام تصانیف درج ہوتی ہیں۔ شخصیت پر جو کتابیات تیار ہوتی ہے اس میں اس شخص کی لکھی ہوئی اور اس پر لکھی ہوئی تمام تصانیف شامل کی جاتی ہیں۔ جیسے اقبال اکیڈمی پاکستان نے علامہ اقبال پر کے۔ اے۔ وحید کی تیار کی ہوئی ببلیوگرافی ۱۹۶۵ء میں شائع کی ہے جس میں اقبال کے تمام دیوان اور ان پر تنقیدی مضامین اور کتابیں شامل ہیں۔ یا عبدالرحمٰن بدوی نے الغزالی پر عربی میں ایک ضخیم ببلیوگرافی تیار کی جسے ۱۹۶۱ء میں حکومت عرب جمہوریہ نے شائع کیا۔ آج کل سائنسی دور میں علم کا میدان بہت وسیع ہو گیا ہے اس امر کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ علم کے ہر گوشے پر کتابیات تیار کی جائے۔

کسی فن یا شخصیت پر کتابیات تیار کرنے کے لیے صرف کتابوں کو شامل کرنا ہی کافی نہیں بلکہ رسائل کے مضامین بھی ان میں شامل ہونے چاہئیں۔ کیونکہ آج کل رسائل کا معیار کافی بلند ہو چکا ہے ان میں جو مضامین آتے ہیں وہ بعض اوقات نہایت اعلیٰ پایہ کے ہوتے ہیں اور محقق کے لیے نہایت مفید ثابت ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ کتب فروش اور ناشر بھی اپنی کتابیات تیار کرتے ہیں مگر وہ تجارتی نقطۂ نظر سے مرتب کی جاتی ہیں اور اس میں تکنک کا زیادہ خیال نہیں رکھا جاتا۔ ہاروَرڈ یونیورسٹی پریس کا کیٹلاگ۔ "نیو کیمبرج بکس" اور ہندوستان میں ببلیوتھیکا اور "نشلیا اور "انیل گپتا" کا کتابوں کا کیٹلاگ تکنک اور تفصیل کے لحاظ سے کتابیات کے اچھے نمونوں میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

عرب میں ابن ندیم متوفی ۳۸۰ ہجری عہد عباسیہ کا ایک نامور کتب فروش اور مدون کتابیات (BIBLIOGRAPHER) گزرا ہے جس نے ۳۷۷ھ میں "کتاب الفہرست" کے نام سے ایک ضخیم کتابیات مرتب کی جس میں اس نے تقریباً چار سو سال کا لٹریچر شامل کیا ہے۔

انگریزی اور دوسری یورپی زبانوں میں کتابیات نے کافی ترقی کر لی ہے۔ اور کتابیات کی تعداد اتنی پہنچ گئی کہ "بسٹرمین" کو جو ایک جرمن مدون کتابیات تھا "ببلیوگرافی آف ببلیوگرافیز" یعنی کتابیات کی کتابیات تیار کرنی پڑی جو تین جلدوں میں ہے لیکن یہ کام ہماری اردو زبان میں ابھی تک بہت ناقص ہے۔

سب سے پہلے سرسید احمد خاں کو اس کا خیال آیا چنانچہ ۱۸۶۶ء میں علی گڑھ سائنٹفک سوسائٹی کی طرف سے جو ایڈریس سر ولیم میور لفٹننٹ گورنر صوبہ شمال و مغرب (یوپی) کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اس میں یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ منجملہ ان کتابوں کے جو اردو زبان میں سوسائٹی تیار کر رہی ہے وہ کتابیں سید احمد خاں آنریری لائف سکریٹری بھی تیار کر رہے ہیں۔ ایک اردو لٹریچر کی تاریخ یا فہرست جس میں تمام کتابوں کا جو ابتدا سے آج تک چھپی

ہیں نام۔ اس کے مصنف کا حال۔ تصنیف کا زمانہ۔ طرز بیان اور مختلف مقامات سے اس کی عبارت کے چند نمونے اور بعض مضامین کا خلاصہ ہوگا۔"

(حیات جاوید)

دوسری کتاب اردو ڈکشنری تھی جو پوری طرح مکمل نہ ہو سکی لیکن پہلی کتاب یعنی فہرست کے کام کو سرسید عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی نے "الفہرست" کے نام سے ایک کتابیات تیار کی۔ مگر وہ اپنی خامیوں کی وجہ سے اتنی ناقص تھی جسے ہم اچھی کتابیات کا نمونہ نہیں کہہ سکتے۔ ڈاکٹر عبدالحق نے "قاموس الکتب اردو" جلد اول میں اس کی خامیوں کا انکشاف کیا ہے۔ مثلاً تواریخ کی متفرق کتابیں، تحت مختلف، ملکوں کی تاریخیں مشاہیر اور دیگر اشخاص کی سوانح عمریاں، سفرنامے سب گڈ مڈ کر دیے ہیں۔ یا قرآن شریف کے تراجم کے تحت اعجاز القرآن، اعجاز البیان، مفتاح القرآن، لغات القرآن، کلید خزائن قرآن، جواہر قرآنی، معجزات القرآن، جیسی کتابیں بھی شریک کر لی گئی ہیں۔

اس کے بعد سنہ ۱۹۶۱ء میں مولوی عبدالحق کی زیر نگرانی انجمن ترقی اردو نے مذہبیات پر ایک کتابیات "قاموس الکتب اردو" مرتب کی۔ یہ کتابیات ۱۰۷۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کافی تفصیل اور جامعیت سے کام لیا گیا ہے۔

اردو کتابوں کی ببلیوگرافی تیار کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اکثر و بیشتر کتابیں ایسی ملتی ہیں جن سے پوری معلومات نہیں ملتی۔ کہیں ناشر کا نام نہیں ہوتا تو کہیں سنِ اشاعت نہیں ملتا۔ کہیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ ایڈیشن کون سا ہے۔ غرض جب تک کتاب کے متعلق مکمل معلومات فراہم نہ ہوں ایک اچھی کتابیات کیسے بنائی جا سکتی ہے۔ پرانی کتابوں میں عام طور پر یہ نقص ملتا ہے۔

اردو میں کتابیات بنانے کا وہی طریقہ ہے جو انگریزی میں ہے۔ کتاب سے متعلق تمام تفصیل بالترتیب آنی چاہیے۔ ترتیب ایک تکنک ہے۔ اگر اس تکنک میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی تو وہ اچھی کتابیات نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ کتابیات مرتب کرتے وقت جن چیزوں کو ذہن میں رکھنا ہوتا ہے ان کی ایک خاص اہمیت ہوتی ہے ایسا نہ ہونا چاہیے کہ جو چیزیں پہلے آتی ہیں وہ بعد کو آئیں اور جن کو بعد میں درج کرنا ہے وہ پہلے لے آئیں بلکہ ترتیب مندرجہ ذیل طریقے سے ہونی چاہیے۔

مصنف کا نام۔ کتاب کا نام۔ مترجم کا نام (اگر کوئی ہے) ایڈیشن، جلد نمبر، مقام اشاعت، ناشر، سنِ اشاعت صفحات۔ تعداد تصاویر۔ تعداد صفحات قیمت اور کیفیت۔

کیفیت کے خانے میں مصنف یا کتاب کے بارے میں صرف چند سطور لکھنا کافی ہے اگر کتاب کی کوئی خاص اہمیت ہے۔

نیچے میں ایک کتاب کا نمونہ پیش کرتا ہوں۔ مثلاً:۔

حالی (خواجہ الطاف حسین)

"یادگارِ غالب" مرتبہ خلیل الرحمن داؤدی۔ لاہور مجلس ترقی ادب۔ سنہ ۱۹۶۳ء، صفحات ۵۹۰

کیفیت:۔ "غالب کے سوانح اور اس کی نظم و نثر کے انتقادی جائزے کے سلسلے میں یہ پہلی اور بنیادی کتاب ہے مختلف فضلا نے غالب کے کلام کے متنوع پہلوؤں سے بحث کی لیکن کوئی نہ کوئی مقام ایسا ضرور آیا کہ حالی سے استناد کرنا پڑا۔"

رسائل کے مضامین کی جو کتابیات تیار کی جاتی ہے اس کی نوعیت کتاب سے ذرا مختلف ہے۔ اس کے مصنف کے نام کے بعد مضمون کا عنوان پہلے آتا ہے پھر رسالے یا مجلّے کے نام کے نیچے ایک خط کھینچ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مقام اشاعت۔ ادارہ۔ جلد نمبر۔ تاریخ و سنِ اشاعت۔ اور سب سے آخر میں مضمون شروع ہونے کا صفحہ نمبر اور ختم ہونے کا نمبر۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ مضمون کتنے صفحات پر مشتمل ہے اور وہ جلد اس رسالے میں تلاش کیا جا سکے۔ نیچے دیے ہوئے نمونے کے ذریعہ یہ بات واضح ہو جائے گی۔

محمد حسن

"مرزا رسوا کی تنقید نگاری"

نقوش۔ لاہور۔ ادارۂ فروغ اردو۔ جون سنہ ۱۹۵۶ء

صفحہ ۲۰۲ تا ۲۱۴

آج کل ایک نہایت ضروری اور قابل توجہ مسئلہ اسمائے مصنفین کے اندراج کا بھی ہے۔ انگریزی میں اس قسم کا کوئی مسئلہ نہیں۔ عام طور پر یہ طریقہ رائج ہے کہ مصنف کا خاندانی نام یا اس کا تخلص اگر وہ شاعر ہے پہلے لکھا جاتا ہے اس کے بعد اس کا اصلی نام لکھا جاتا ہے اور یہ طریقہ بالکل صحیح ہے مگر جہاں مصنف کے خاندانی نام کا پتہ نہیں چلتا وہاں اس کا اصلی نام لکھ دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کے ناموں کے نام میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کے ناموں سے پہلے "محمد" لکھا ہوتا ہے اگرچہ وہ زائد معلوم ہوتا ہے جیسے محمد ضیاء الدین۔ محمد اکبر علی۔ محمد خلیل احمد وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اس میں صرف ضیاء الدین۔ اکبر علی اور خلیل احمد کافی ہے۔

"محمد" کا لفظ ایک برکتی ہے اگر اس لفظ کو اصلی نام سے الگ کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر محمد کے ساتھ بعض ایسے نام بھی بنتے ہیں جن کو محمد سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور وہ بجنسہ درج ہوں گے مثلاً محمد احمد۔ محمد حسن، محمد علی وغیرہ کیونکہ ہمارے معاشرہ میں، محمد حسن اور علی قسم کے نام سابقہ اور لاحقہ سے بن گئے ہیں۔

یہ چند باتیں ہیں جو کتابیات بناتے وقت ذہن میں رکھنی چاہئیں تاکہ ایک اچھی، کامیاب اور مکمل کتابیات مرتب ہو سکے۔ اردو کی کتابوں کے سلسلے میں خاص طور سے توجہ دینی چاہیے تاکہ محققین کو کتاب کے بارے میں پوری معلومات فراہم ہو سکے۔

مراسلات

بمبئی کا مجوزہ اردو کنونشن

"ہماری زبان" کی تازہ اشاعت ۲۲ر اکتوبر ۱۹۶۶ء میں بمبئی کے مجوزہ کنونشن پر میرا مراسلہ شایع ہوا ہے۔ اسی اشاعت میں میرے مراسلے پر ایک طویل اداریہ بھی لکھا گیا ہے۔

میں اداریے کے ان الفاظ کا خیر مقدم کرتا ہوں کہ "پنڈت آنند نرائن ملا، حیات اللہ انصاری اور آل احمد سرور کے نقطۂ نظر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس سے زیادہ خوشی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ لیکن اسی پیراگراف کی آخری سطروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ انجمن ترقی اردو ہند کے تمام ممبر اس مطالبے کے پابند ہیں۔ اگر کسی اخباری بیان میں کسی نے کچھ اور کہا ہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" میں اس خیال سے متفق نہیں ہوں کہ انجمن کی سرکاری پالیسی ایک ہو سکتی ہے لیکن اس کے ذمہ دار ممبر اخباری بیانات میں کوئی دوسری ہی بات کہہ سکتے ہیں۔

اس اداریے میں میرے اس جملے کو وضاحت طلب قرار دیا گیا ہے کہ "اس پر بھی اردو حلقوں میں اختلاف رائے ہے کہ ہمیں سرکاری زبان کا مطالبہ کرنا چاہئے یا علاقائی زبان کا یا ثانوی زبان کا۔" اداریے کے مطابق "انجمن ترقی اردو ہند کا مطالبہ یہ ہے کہ اتر پردیش، بہار اور دہلی میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔" علاقائی زبان کا لفظ بہت دن سے استعمال میں نہیں آتا تھا۔ حال ہی میں لکھنؤ سے اردو اور ہندی کے ترقی پسند ادیبوں کے بیان میں یہ لفظ استعمال کیا گیا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ لفظ مجبوراً استعمال کیا گیا۔" پھر ذرا آگے چل کر اداریے میں یہ لکھا ہوا ہے کہ "ثانوی زبان کا مطالبہ بھی انجمن نے نہیں کیا۔ اردو کی کچھ انجمنوں کی طرف سے ضرور اس پر زور دیا گیا۔" اداریے کے ان الفاظ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انجمن ترقی اردو سرکاری زبان کا مطالبہ کر رہی ہے۔ ترقی پسند ادیب علاقائی زبان کا اور اردو کی کچھ انجمنیں ثانوی زبان کا۔ کیا اس کے بعد بھی میرا جملہ وضاحت طلب رہ جاتا ہے کہ اردو حلقوں میں اس مسئلے پر اختلاف رائے ہے؟

پھر سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ سرکاری، علاقائی اور ثانوی تینوں الفاظ انجمن ترقی اردو کی بعض سرکاری دستاویزوں اور تجویزوں میں موجود ہیں۔ مثلاً ۱۱ر ۱۲ر ستمبر ۱۹۶۶ء کو پٹنہ میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کانفرنس میں جو تجویز منظور ہوئی اس میں کہا گیا:

۱۔ "پہلی جب پہلی بار ۲۸ر جنوری ۱۹۵۱ء کو بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے زیر قیادت بہار سے دس لاکھ اردو داں کے دستخط جمع کر کے صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں ایک باضابطہ وفد کے ساتھ ایک میمورنڈم پیش کیا گیا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کی رو سے اردو کو بہار کی علاقائی زبان تسلیم کر کے مخصوص مقاصد کے لیے اس کے استعمال پر حکم دیا جائے۔"

۲۔ "نومبر ۱۹۵۵ء میں پٹنہ میں منعقد ہونے والی ریاستی اردو کانفرنس نے حکومت سے پھر مطالبہ کیا کہ مذکورہ دفعہ کے تحت متذکرہ علاقوں میں اردو کو متعین مقاصد کے لیے علاقائی و سرکاری زبان قرار دیا جائے۔"

۳۔ "نومبر ۱۹۶۰ء میں مظفر پور میں ہونے والی ریاستی اردو کانفرنس نے مطالبہ کیا کہ حکومت بہار دستور کی دفعہ ۳۴۵ کے تحت بہار اسٹیٹ آفیشل لنگویجز ایکٹ میں ترمیم کر کے اردو کو بہار کی ثانوی سرکاری زبان قرار دئے جانے کا اعلان کر دے۔"

۴۔ "جنوری ۱۹۶۲ء میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کا ایک وفد ۔۔ وزیر اعلیٰ بہار سے ملا اور اس موقع پر ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں اردو کو بہار میں علاقائی و ثانوی سرکاری زبان قرار دئے جانے کے پرانے مطالبے کو دہرایا گیا۔"

ستمبر ۱۹۶۶ء کی اس تجویز میں کہیں صرف سرکاری زبان کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے جو انجمن ترقی اردو ہند کی سرکاری پالیسی ہے لیکن علاقائی زبان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے پھر اس میں دوسرے الفاظ کی آمیزش کی گئی۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ انجمن کی مرکزی تنظیم اور شاخوں کے درمیان بھی اختلاف ہے؟ ہو سکتا ہے کہ یہ اختلاف غیر شعوری ہو۔

میرے سامنے ایک اور دستاویز ہے جو ۲۵ر اکتوبر ۱۹۶۶ء کو دہلی میں پنڈت سندر لال نائب صدر انجمن ترقی اردو ہند کی دعوت پر منعقد ہونے والے ایک مشاورتی جلسے میں ایک منشور کی شکل میں منظور ہوئی۔ اس منشور پر ۲۸ دستخط ہیں جن میں انجمن ترقی اردو ہند کی مجلس عاملہ کے کچھ ذمہ دار ارکان بھی شامل ہیں جیسے پنڈت سندر لال، پنڈت آنند نرائن ملا اور پروفیسر حبیب الرحمٰن۔ اس پر اردو محاذ دستے کے معصوم انصاری کے بھی دستخط ہیں۔

اس منشور میں ایک جگہ علاقائی زبان کا مطالبہ ہے دوسری جگہ دوسری جگہ سرکاری سطح پر علاقائی زبان کا اور تیسری جگہ ثانوی سرکاری زبان کا۔ صرف "سرکاری زبان" کا مطالبہ کہیں نہیں ہے۔

"ہماری زبان" کے اداریے کے مطابق: "علاقائی یا دوسری زبان کا لفظ چاہے کوئی کتنی ہی نیک نیتی سے استعمال کرے دستور کے الفاظ سے اس کا جواز نہیں نکلتا۔" لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان تینوں الفاظ کے درمیان کوئی بعید بعد نہیں ہے۔ اصل مسئلہ صحیح تشریح کا ہے۔ جو زبان کسی علاقے کے لیے سرکاری طور پر تسلیم کی جائے گی، وہ علاقائی بھی ہوگی اور سرکاری بھی اور چونکہ ہندی کے ساتھ یا ہندی کے بعد استعمال ہوگی اس لیے لامحالہ ثانوی زبان یا دوسری زبان ہو جائے گی۔ علاقائی اور سرکاری یہ دونوں لفظ دستور میں موجود ہیں۔ ایک عنوان کی حیثیت سے اور دوسرا متن میں اور دونوں لفظ قانونی طور سے قابل اعتبار ہیں۔ ثانوی کے لفظ پر ہماری

پارلیمنٹ کی منظوری ہوئی ہے۔ ریاستوں کی نئی تنظیم کمیٹی کی رپورٹ میں جسے پارلیمنٹ نے قبول کیا ہے دو زبانی علاقے اور دو زبانی ریاست کے الفاظ موجود ہیں۔

اس مسئلے پر ایک اور طریقے سے بھی غور کرنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ اردو والوں کا مطالبہ اگر منظور ہوا تو کون اس کو منظور کرے گا اور کون اس کو قانونی تحفظ دے گا؟ ظاہر ہے کہ مرکز اور ریاستوں کی حکومتیں، اور یہ حکومتیں سیاسی جماعتوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جن سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے منشور میں اردو کا ذکر کیا ہے اور اپنی ملی جلی حکومتوں کے پروگرام میں اس کو شامل کیا ہے ان سب نے علاقائی زبان اور دوسری سرکاری زبان کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور ان جماعتوں کے لاکھوں ممبروں کے لیے یہ الفاظ بامعنی اور قابل اعتبار ہیں۔ یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے کہ صرف سرکاری زبان کہنے سے تو اردو کا تحفظ ہو سکتا ہے لیکن دوسری سرکاری زبان کہنے سے نہیں ہو سکتا۔

اس وقت ذریعہ تعلیم کے مسئلے پر بھی جو بحث چل رہی ہے جو فیصلے ہو رہے ہیں اور جو اقدامات کئے جا رہے ہیں ان میں بھی بار بار علاقائی زبان کا لفظ استعمال ہو رہا ہے۔ انگریزی کی جگہ علاقائی زبانیں لیں گی۔ سوال یہ ہے کہ اس تبدیلی میں اردو کی کیا حیثیت ہوگی۔ کیا ہم اب بھی یہ اصرار کریں گے کہ اردو کے لیے علاقائی کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے کیونکہ انجمن ترقی اردو نے بائیس لاکھ دستخطوں والی یادداشت میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا ہے یا یہ کہ کسی کے نزدیک اس لفظ کے لیے کوئی قانونی یا دستوری جواز نہیں ہے۔

در اصل دستور یا سرکاری دستاویزوں میں مندرج الفاظ کی بہت سی تشریحیں ممکن ہوتی ہیں کبھی ان کے مفہوم کا تعین عمل کے ذریعے سے ہوتا ہے اور کبھی عدالت کے فیصلے سے اور آنند نرائن ملّا صاحب کے الفاظ میں یہ جنگل وکیلوں کی شکارگاہ ہے۔

اردو کے مسئلے پر اس وقت بمبئی کے احباب کچھ اس طرح سوچ رہے ہیں کہ بیس سال کے تجربے سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ محض یادداشتوں اور درخواستوں سے کام نہیں چل سکتا۔ قربانیوں اور عوامی تحریکوں اور قانون شکنی کا نعرہ بھی ملک کے مخصوص حالات میں اپنے دور رس نتائج کی روشنی میں قابل غور ہے۔ کیا ہم اردو کے نام پر لکھنؤ یا دہلی میں ایک دن کی ہڑتال کرا سکتے ہیں؟ کیا ہم ایک گھنٹے کے لیے بھی امین آباد یا چوک بازار کو بند کرا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔ اگر صورت حال یہ ہے تو ہمیں کوئی اور ہی راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہو سکتی ہے کہ ہم اردو کی حمایت میں غیر اردو حلقوں کا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل کریں۔ ہندوستان کی دوسری زبانوں کے ادیبوں اور دانشوروں کو اپنے ساتھ لیں۔ اس میں خاص طور سے ہندی ادیبوں کا تعاون بہت اہم ہے۔ ہم سیاسی جماعتوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ نہ تو کانگریس کو اور نہ مخالف جماعتوں کو۔ ایک ایسا وقت آ سکتا ہے جب صرف اردو والوں کے بجائے ہندوستان کی تمام زبانوں کے ادیب اور دانشور مل کر یہ آواز بلند کریں جو ہمارے پردہ ڈال سکتے ہیں۔ لیکن اس وقت کو لانے کے لیے اردو والوں کو مل کر متحد ہو کر کوشش کرنی پڑے گی۔ ملک کے نئے حالات کے پس منظر میں اپنے مطالبات اور کھیلے کاموں کا جائزہ لے کر از سر نو اپنے مطالبات کو مرتب کرنا پڑے گا۔ بعض تفصیلات میں بھی جانا پڑے گا۔ مثلاً یہ کہ تعلیمی نظام میں اردو ریاست کے کاروبار میں اردو کی عملی شکل کیا ہوگی۔ ایک ریاست اور دوسری ریاست کے حالات میں بھی فرق ہے۔

ان تمام مسائل پر غور کرنے کے لیے بمبئی میں اردو کنونشن کا انتظام کیا جا رہا ہے جس کے لیے اردو کمیٹی کی تشکیل ہوئی ہے۔ اس میں انجمن ترقی اردو کی شرکت ضروری ہے جو ہماری زبان کی قدیم اور سب سے بڑی تنظیم ہے اس میں اردو کی دوسری جماعتوں کی بھی شرکت ضروری ہے۔ اس کنونشن کا مقصد ایک دوسرے پر اعتراض کرنا نہیں ہے بلکہ اپنی طاقت کو سمیٹنا متحد کرنا اور بڑھانا ہے۔

ہم اس کنونشن کو صرف اردو کے مطالبے اور تحریک تک محدود نہیں رکھنا چاہتے۔ اس میں اردو کے علمی اور ادبی مسائل پر بھی تبادلۂ خیال اور غور و فکر کرنا چاہیے اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ حکومتوں کے تعاون کے بغیر ہم خود اپنی زبان کی بقا اور ترقی کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔

ہم اس کنونشن میں ہندوستان کی تمام زبانوں کے ادیبوں کو دعوت دے رہے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ وہ اچھی تعداد میں شریک ہوں گے۔ خیال ہے کہ کنونشن جنوری ۱۹۷۰ کے دوسرے ہفتے میں منعقد کیا جائے

(سردار جعفری)

خدا بخش لائبریری میں واجد علی شاہ کی کتابیں

"ہماری زبان" کے ۲۲ اکتوبر ۶۹ء کے شمارے میں سید مسعود حسن رضوی ادیب صاحب کا مضمون "تصنیفات واجد علی شاہ" شائع ہوا ہے۔ پٹنہ کی خدا بخش خاں لائبریری میں واجد علی شاہ کی جو کتابیں ہیں ان کی فہرست "نمبر کتاب" کے ساتھ درج ذیل ہے

نمبر کتاب	اسمائے کتب	
۲۶۳۴	مثنوی اختر	مطبوعہ
۱۳۳۱۸	حزن اختر	"
۳۳	تاریخ فراق	قلمی
۱۴۲	تاریخ نور	"
	وستہ سکشن ۱۱	
۲۰۰۶	دیوان اختر	مطبوعہ
۲۰۰۷	افسانۂ عشق	"
۲۰۰۸	دریائے تعشق	"
۲۰۰۹	بحر الفت	"
۲۰۱۰	خطوط آخری شاہ اودھ	"
۲۱۳	حزن اختر	"

(مناظر عاشق ہرگانوی)

ساری زبانیں مشترکہ ثقافت اور تہذیب کی پیداوار ہیں

نئی دہلی۔ دارالسلطنت میں کنسرٹ کی سرکاری تقریب کا افتتاح کرتے ہوئے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا کہ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم ایک ملک کے باشندے ہیں اور ہمارا مستقبل ہماری ہم آہنگی اور ملکی سے کیے گئے کاموں پر منحصر ہے۔ ہندوستان کی بربادی پر ہماری بربادی اور ہندوستان کی سلامتی پر ہماری سلامتی کا انحصار ہے۔

صدر نے آگے چل کر فرمایا کہ سطحی طور پر ہندوستان کی مختلف زبانیں بجاہی ہندوستانیوں کو مختلف لسانی گروہوں میں بانٹتی نظر آتی ہیں لیکن گہرائی میں اترنے پر ایسا نہیں معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہماری ساری زبانیں ہمارے مشترک ثقافت اور تہذیب کی پیداوار ہیں۔ ہمارے ملک کی تمام زبانوں میں ایک مخصوص قسم کا تال میل ہے۔ یہ بات تشفی بخش ہے کہ تمام زبانیں اپنی اپنی جگہ پھل پھول رہی ہیں اس کی اہم وجہ ثقافتی پس منظر ہے اور اس لیے ان کا مستقبل روشن ہے انھوں نے کہا کہ تمام زبانوں کو نشوونما پانا اور اپنے اندر مزید وسعت پیدا کرنا چاہیے تاکہ وہ رابطہ کی زبان بن سکیں۔ انھیں تاکید یہ ہے کہ اس کی طرح بڑی ہوشیاری اور کافی احتیاط کے ساتھ بڑھتے رہنا چاہیے۔

ریاست میسور کے ثقافتی پس منظر اور تواریخ کی مثال پیش کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ شمالی و جنوبی ہند کی ثقافت کا سنگم ہے۔

میسور کے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ میں ان لوگوں میں ہوں جو لسانی بنیادوں پر ریاستوں کے حامی نہیں تھے معمولی باتوں کے لیے اگر مسئلے کھڑے ہوتے رہے تو میں یہی پسند کروں گا کہ ریاستوں کی یہ حدیں ختم کر دی جائیں۔ (سنگم)

اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے سے وزیر اعلیٰ یو۔پی کا اظہار معذوری

لکھنؤ۔ اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ شری چرن سنگھ نے ہندوستان کی ری پبلکن پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کی حالیہ منظور کردہ قرارداد کا ذکر کرتے ہوئے ایک بیان میں جو یہاں جاری کیا گیا ہے کہا کہ قرارداد میں جن مطالبات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کچھ مطالبات کلیتاً یا جزوی طور پر قابل قبول ہیں لیکن دوسرے مطالبات کو مکمل طور پر تسلیم کرنے اور ان کو بروئے کار لانے میں کچھ عملی دشواریاں حائل ہیں انھوں نے کہا کہ

اتر پردیش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کے مطالبے پر حکومت ایک سے زیادہ بار غور کر چکی ہے اور حکومت کے لیے اس مطالبے کو تسلیم کرنا ممکن نہیں ہو سکا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی حکومت نے اردو جاننے والوں کو سہولتیں فراہم کرنے کے لیے بہت سے اقدامات کیے ہیں اور حال ہی میں حکومت نے نائب وزیر اعلیٰ کی صدارت میں ایک اردو کمیٹی قائم کی ہے جس کا کام دیکھنا ہے کہ حکومت نے اردو کے سلسلے میں جن سہولتوں کی فراہمی کے فیصلے کیے ہیں ان پر مناسب طور سے عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ اسکولوں میں ایسے بچوں کو تعلیم دینے کے لیے کافی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں جن کی مادری زبان اردو ہے اور ایسے طلبہ کو بورڈ آف ہائی اسکول کے امتحانات کے پرچوں کے جوابات اردو میں لکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ عدالتوں اور سرکاری دفتروں میں اردو میں دستاویزات پیش کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور دستاویزات کے اردو میں اندراج کو تسلیم کیا گیا ہے اور اس کو باضابطہ قرار دیا گیا ہے۔

حکومت نے حال ہی میں قواعد، قوانین، اعلانیوں اور بلوں سے متعلق گزٹ کے کچھ ابواب کو اردو میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو تمام کلکٹریوں میں دستیاب ہوں گے۔ ایسے تمام علاقوں میں جہاں اردو جاننے والوں کی تعداد دس فی صدی سے زیادہ ہے ووٹ دہندگان کی فہرستیں اردو میں شائع اور فراہم کی جاتی ہیں۔ حکومت نے اردو ادب کو ترقی دینے کے لیے اور اردو مصنفوں اور اردو اخباروں کو مالی امداد دینے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے بہت سے اقدامات کیے ہیں۔ (الجمعیۃ)

انجمن ترقی اردو آندھرا کی شاخوں کے نام سرکلر

جناب حبیب الرحمن صاحب معتمد عمومی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے حسب ذیل بیان جاری کیا ہے۔

سال گزشتہ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی اضلاعی شاخوں کے صدور و معتمدین اور دوسرے کارکنوں و ہمدردان اردو کا ایک اجتماع عمل میں آیا تھا اور اس اجتماع کے جو مفید نتائج برآمد ہوئے ہیں ان کے پیش نظر اس سال کا اجتماع ۶ و ۷ جنوری ۱۹۶۸ء کو حیدرآباد میں انجمن ترقی اردو کی جانب سے بلایا گیا ہے۔ پہلے روز یعنی ۶ جنوری کو انجمن کی شاخوں کے صدور، نائب صدور اور معتمدین کا خصوصی اجلاس ہوگا جس میں زیادہ تر انجمن کے تنظیمی مسائل پر غور کیا جائے گا اور دوسرے دن یعنی ۷ جنوری ۱۹۶۸ء کے اجلاس میں صدور، نائب صدور اور معتمدین کے علاوہ نہ صرف شہر حیدرآباد کے بلکہ اضلاع سے آنے والے ہمدردان و کارکنان اردو بھی شرکت کریں گے اور آندھرا پردیش میں اردو کے جو مسائل ہیں ان پر سوچ بچار کیا جائے گا۔ یہ اجتماع اس لیے بھی خصوصیت کا حامل ہوگا کہ جاریہ مالی سال کے اختتام سے قبل شاید اسمبلی میں سرکاری زبان کے قانون کی عمل آوری کو موثر بنانے کے لیے اس میں کچھ ترمیمیں کی جائیں۔ اس سلسلے میں انجمن نے ایک یادداشت ماہ ستمبر ۱۹۶۷ء میں ریاست آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ کی خدمت میں پیش کی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ قانونی تحفظات کے ذریعہ اردو کو اس کا جائز مقام دیا جائے۔ وزیر اعلیٰ نے وعدہ تو کیا ہے کہ وہ انجمن کے مشورے سے اس بارے میں مناسب اقدام کریں گے۔ مگر جب تک انجمن کے اس مطالبے کو منوانے کے لیے موثر رائے عامہ ہموار

نہ کی جائے مسئلہ جوں کا توں باقی رہ سکتا ہے اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس اجتماع میں اس مسئلہ پر غور کیا جا کر ایک جامع لائحہ عمل مرتب کیا جائے گا تاکہ اس کی روشنی میں کوئی موثر قدم اٹھایا جا سکے اس کے علاوہ اردو کے تعلق سے حکومت کی صحت پالیسی پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے کئی اور مسائل پیدا ہو گئے ہیں مثلاً اردو جماعتوں کا قیام، اساتذہ کی فراہمی، نصابی کتب کی تیاری اور ضلع پریشد اور پنچایت سمیتوں کے تحت چلائے جانے والے مدارس میں اردو کی متوازی جماعتوں کے قیام کے لیے عملہ کا لزوم و نظم و نسق اور عدالتوں میں اردو کی حیثیت کو منوانے کا سوال بھی ہنوز حل طلب ہے اور اس مجوزہ اجتماع میں یہ تمام مسائل زیر بحث آئیں گے اس لیے میں انجمن کے شاخوں کے عہدہ داروں اور اردو کے دوسرے کارکنوں اور ہمدردوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس اجتماع میں شریک ہو کر ہماری ہمت بڑھائیں اور اردو کی بقا و تحفظ کے لیے جو جدوجہد جاری ہے اس کو تقویت پہونچائیں۔

(حبیب الرحمٰن سعید علوی)

شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی میں قاضی عبدالستار کا استقبال

۱۴ر اکتوبر کی شام میں شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی میں قاضی عبدالستار کے اعزاز میں جلسہ ہوا۔ ڈاکٹر محمد حسن ریڈر شعبہ اردو نے قاضی صاحب کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ پریم چند کے بعد پہلی بار قاضی صاحب نے دیہات کی زندگی کا گہرائی اور گیرائی کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور پورے فنکارانہ آداب کے ساتھ افسانوی ادب میں پیش کیا ہے ان کی تخلیقات اردو ادب میں مستقل اضافہ ہیں۔ پھر قاضی صاحب نے اپنی نئی کہانی "دلو باجی" سنائی آخر میں صدر شعبہ اردو ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی نے قاضی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

(نامہ نگار)

کانگڑہ کلچرل سوسائٹی ہماچل پردیش کے زیر اہتمام مشاعرہ

دھرم سالا۔ کانگڑہ کلچرل سوسائٹی کے زیر اہتمام مقامی گورنمنٹ کالج میں ایک آل انڈیا مشاعرہ زیر صدارت وزیر صحت جناب لال چند پرارتھی منعقد ہوا جس میں ملک کے مختلف حصوں سے شعرائے کرام نے حصہ لیا۔ اس مشاعرے نے دہلی اور لکھنؤ کے مشاعروں کی فضا کو دوبارہ زندہ کر دیا تھا جوش ملسیانی اور منور لکھنوی کی غزلوں نے اردو غزل کی قدیم روایات کو یاد دلایا، جبکہ جگن ناتھ آزاد کی غزل قدیم و جدید روایات کی حامل تھیں۔ مشاعرہ میں سلیم کھتولی، بھیلانو، کرن جالندھری، پرکاش عارف، عرش صہبائی، شباب للت، ہلال سیوہاروی، اختر رضوانی، شاعر سیالکوٹی، بھگوان داس شعلہ، طالب امین آبادی، مست پرکاش سالک، رشی امید، اور پروفیسر بہار کی غزلیں پسند کی گئیں۔ پروفیسر بہار نے مشاعرہ کی سکریٹری کے فرائض انجام دیئے۔ وزیر صحت ہماچل پردیش نے کانگڑہ کلچرل سوسائٹی صدر جی ایس چند سکریٹری پروفیسر بہار کو مشاعرہ کی کامیابی پر مبارکباد دی اور کہا کہ ہماچل پردیش میں ادبی ذوق اس سوسائٹی کے ذریعہ پیدا ہوا۔

اردو کا مطالبہ صحیح معنوں میں اب شروع ہوا ہے ہمیں ایک نئے عزم سے اٹھنا ہے

ہزاری باغ۔ محمد علی لائبریری میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی ضلعی شاخ کا انتخاب جناب جتاب صدیقی کی صدارت میں ہوا۔ اس موقع پر ضلع کے مقامی شاخوں کے نمائندے بھی آئے۔ جلسہ کی کارروائی دلچسپی سے جاری رہی۔

ٹریننگ افسر اور صدر جلسہ جناب جتاب صدیقی نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اردو کا مطالبہ اب صحیح معنوں میں شروع ہوا ہے۔ آزادی کے بعد سے ہی ہماری کوشش اردو کو صحیح مقام دلانے کی رہی ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ حکومت نے کبھی بھی اس کا اپنا حق تسلیم نہیں کیا۔ بہار میں اردو کو ذریعہ بنا کر طرح طرح کی گڑبڑ پھیلائی گئی لیکن یہ ساری کوششیں ہمارے قدموں میں لغزش لانے کی باعث نہیں بن سکتیں۔ ہم ان ساری دشواریوں کے باوجود بھی اردو کے حق کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہیں گے خواہ ہمیں کتنی بھی قربانی دینی پڑے۔ صدر جلسہ نے اپنی تقریر کے بعد انتخاب کی کارروائی شروع کی جناب بدر الزماں خاں صدر، اور جناب قاضی قمر احمد سکریٹری متفقہ طور پر منتخب ہوئے۔ ان کے علاوہ نائبین صدر، اسسٹنٹ سکریٹریز اور خازن کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔

(سنگم)

علاقائی زبانوں کے بارے میں راجاجی کا اظہار خیال

مدراس۔ سوتنتر پارٹی کے بانی و ممتاز رہنما مسٹر چکرورتی راجگوپال آچاریہ نے کہا کہ اگر ہندوستان کی تمام ریاستوں نے اعلیٰ تعلیم کے لیے اپنی اپنی علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنا لیا تو ہندوستان ایک وسیع سمندر میں چھوٹے چھوٹے ٹاپوؤں کے الگ تھلگ مجموعہ کے مانند ہو کر رہ جائے گا۔ اس قسم کا اقدام میری رائے میں انتہائی احمقانہ فعل ہے جو ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ راجاجی ملک میں تعلیمی نظام میں انگریزی کے مقام پر ہونے والے کنونشن سے خطاب کر رہے تھے جہاں انھوں نے اس بات سے بنیادی طور پر اتفاق کیا کہ تعلیم مادری زبان ہی میں اس وقت بہتر طور پر دی جا سکتی ہے وہاں انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس سے پیدا ہونے والے دوسرے مسائل بھی غور طلب ہیں۔

انھوں نے یہ سوال کیا کہ ہندوستان میں اگر ہر ایک یونیورسٹی نے ذریعہ تعلیم کے طور پر علاقائی زبان کو اختیار کیا تو ہندوستان کے نقشے کا کیا بنے گا؟

ہندی کے جوشیلے حامیوں کا خیال ہندی کو سارے ملک کی زبان بنا دینے کا ہے اس کا واحد حل یہ ہے کہ جیوں کی تیوں حالت کو برقرار رکھا جائے۔ راجاجی نے کہا کہ کسی زبان کو ترقی دینے کا بہترین طریقہ یہ نہیں کہ اسے زبردستی سب پر لاد دیا جائے، بہترین طریقہ یہ ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی سے متعلق مضامین کے ماہر لوگوں سے ان مضامین پر عام فہم کتابیں ہندی میں لکھنے کے لیے کہا جائے۔

(سیاست)

اورنگ آباد (دکن) میں حلقۂ ادب کی از سرِ نو تشکیل

اورنگ آباد ۱۰ اکتوبر بوقت ۶ بجے شام بمقام اردو لائبریری اورنگ آباد (دکن) "حلقۂ ادب" کا ایک جلسہ زیر صدارت جناب عبد القیوم صاحب ذکی اورنگ آبادی منعقد ہوا۔ اس جلسے میں مندرجۂ ذیل حضرات بحیثیت عہدیداران بہ اتفاق رائے منتخب ہوئے:-

- نگران: (۱) جناب عبدالقیوم ذکی (۲) جناب مولوی الطاف حسین صاحب
- صدر: صدر شعبۂ اردو مِلند کالج اورنگ آباد (دکن)
- نائب صدر: جناب صابر خاں صاحب ایڈوکیٹ
- جنرل سکریٹری: جناب خمیر فاروی پوری صاحب
- جوائنٹ سکریٹری: جناب ش۔ م۔ روآن صاحب
- اسسٹنٹ سکریٹری: جناب نثار احمد صدیقی صاحب
- خازن: جناب محمد ہاشم صاحب قریشی
- اراکین مجلس عاملہ: (۱) جناب نظام الدین صاحب قادری (۲) جناب مولوی اظہار الحق صاحب (۳) جناب شمس عالم آرزو صاحب

(خمیر فاروی پوری جنرل سکریٹری)

"رابطہ کی قومی زبان" کے مسئلہ کے حل کیلئے نیا فارمولا

مدراس۔ سابق مرکزی وزیر مالیات اور دہلی یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر چنتامن دیشمکھ نے کہا کہ میں رومن الف ب ت (انگریزی کا حروف تہجی) میں لکھی جانے والی نئی "جاشا بھارتی" کی ایجاد کے حق میں ہوں۔ اپنی تجویز کے سلسلے میں انھوں نے استدلال پیش کیا کہ میری رائے میں اعلیٰ تعلیم کی سطح پر ہندی کو پورے ہندوستان میں رابطہ کی زبان نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ وہ اور کسی علاقائی زبان کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہے۔

انھوں نے کہا کہ "جاشا بھارتی" ایسی زبان ہوگی جس کے ارتقاء میں ہم میں سے ہر ایک حصہ لے گا۔ تاہم انھوں نے محسوس کیا کہ ہندوستان ایسے برِ عظیم کے لیے جو اپنے رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے مغربی یورپ کے برابر ہے مشترکہ قومی ذریعہ تعلیم کے بارے میں سوچنا فضول ہی بات ہوگی ہمارے اعلیٰ قومی مفاد کا تقاضا ہے کہ ہم انگریزی پر اپنی دسترس گرفت کو کمزور نہ ہونے دیں۔ انگریزی ہی در اصل وہ واحد بین الاقوامی زبان ہوگی جو ہماری اپنی محبوب ترین علاقائی زبانوں کو ترقی دینے کے علاوہ ہیکن دیرینہ مقصد کو حاصل کرنے میں مدد دے گی۔

انھوں نے کہا کہ اگر مرکزی اور ریاستی دونوں سطح پر انگریزی کو غیر معینہ مدت تک رابطہ کی مدد گار سرکاری زبان کے طور پر برقرار رکھا جائے گا تو یہ بات خود ہندوستان کے حق مفاد میں ہوگی جناب چنتامن دیشمکھ ملک کے تعلیمی نظام سے متعلق مرکزی مقام پر مدراس میں ہونے والے کنونشن سے خطاب کر رہے تھے۔

(سیاست)

بقیہ صفحہ ۴ کا

اور پریس دونوں کو جاری رکھا جائے اور چندہ کر کے ضمانت داخل کر دی جائے لیکن وحید احمد صاحب اس امر کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ کیونکہ ان کے خیال میں پھر یہی دن دیکھنا تھا اور وہ پریس کو دہلی چھوڑ کر اپنے وطن واپس تشریف لے گئے۔

دہلی میں پریس قائم کرنے اور مکان وغیرہ کے کرایہ میں جو کچھ خرچ آیا وہ سب بظاہر قاضی صاحب ہی نے کیا، لیکن قیاس غالب یہی ہے کہ اندرون خانہ یہ سب خرچ حکیم صاحب اور ان کے احباب نے کیا ہوگا۔ پریس کی قیمت البتہ وحید احمد صاحب ہی نے ادا کی تھی۔

اس واقعہ کے کچھ دن بعد وحید احمد صاحب کے بھائی خان بہادر سید محمد عرف میکو میاں نے قاضی صاحب کو دہلی لکھا کہ وہ پریس فروخت کر دیں اور اس کی رقم سے مکان وغیرہ کا کرایہ ادا کر کے بقایا رقم انھیں واپس کر دیں۔ قاضی صاحب نے ایسا ہی کیا اور پریس فروخت کر کے حاصل شدہ رقم انھیں بھیج دی۔ کچھ دن بعد قاضی صاحب خود شیخوپورہ آئے اور حساب کتاب صاف کر لیا اس طرح یہ پریس اور "صباح" اخبار جس کی مدت عمر صرف آٹھ دس دن ہوئی۔ ختم ہو گیا۔

وحید احمد صاحب کی اطلاع کے مطابق "صباح" کا سائز آج کے "نئی دنیا" یا "دعوت" کے برابر تھا مگر عرض ذرا بڑا تھا اخبار کی ضخامت صرف چار صفحے تھی۔ جہاں تک موصوف کا حافظہ کام کرتا ہے صباح آخر جنوری ۱۹۲۰ء یا ابتدائے فروری ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا تھا۔

اس سلسلے میں اگر کوئی بزرگ دلچسپی لیں تو آئندہ کام کرنے والوں کے لیے کچھ اور زیادہ مواد مہیا ہونے کا امکان پیدا ہو سکتا ہے ایسے حضرات ابھی یقیناً موجود ہیں کہ جنھوں نے وہ زمانہ دیکھا اور برتا ہے اور وہ اپنی ذہنی یا تحریری یادداشت کے سہارے اس زمانے سے متعلق کافی حد تک مستند حالات و واقعات بتا سکتے ہیں اس طرح موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے بہت سی ایسی چیزیں محفوظ اور قلمبند بھی ہو جائیں گی۔ جو کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں کی جا سکتیں لیکن جن کا ضبط تحریر میں آجانا قومی تاریخ کے لیے اشد ضروری ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر خیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوایا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا۔